ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CJSSR CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW

CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW

Vol.04 No.01 (2026)

SUFISM: ITS MEANING, HISTORICAL DEVELOPMENT, RELIGIOUS FOUNDATIONS, AND LITERARY TRADITION

Aqsa Gulzar
PhD Scholar (Islamic Studies), University of Southern Punjab, Multan

Abstract

Sufism is a spiritual, ethical, and intellectual tradition concerned with the purification of the self, refinement of character, divine love, and the attainment of closeness to God. This paper examines the meaning, origin, historical development, and distinctive features of Sufism in different religious and cultural traditions. It discusses various explanations regarding the etymology of the terms "Sufi" and "Sufism" and explains their association with wool, wisdom, inner purification, and spiritual discipline. The study presents Sufism as an inward journey in which the individual seeks harmony between the external and internal aspects of life through self-purification, worship, moral conduct, patience, love, and service to humanity. It also explains the relationship between Shariah and Tariqah, showing that outward religious practice and inward spiritual development are interconnected rather than separate. The paper traces mystical tendencies in Greek, Jewish, Christian, and Islamic traditions, while emphasizing that Islamic Sufism is fundamentally connected with the Qur'an, Sunnah, the concept of Ihsan, and the spiritual practices of the Prophet Muhammad (PBUH) and his Companions. It further reviews the development of Sufism in the Indian subcontinent, the role of major Sufi orders, including the Chishti, Naqshbandi, Qadiri, and Suhrawardi orders, and the contribution of Sufi saints to religious teaching and social harmony. Particular attention is given to the role of literature and poetry in preserving and spreading Sufi thought. The paper concludes that Sufism is a universal spiritual tendency based on love, moral purification, self-discipline, knowledge of God, and service to humanity.

Keywords: *Sufism, self-purification, divine love, Ihsan, Shariah, Tariqah, Sufi orders, Islamic mysticism, Urdu literature, Indo-Pak subcontinent*

تصوف: مفہوم، تاریخی ارتقا، مذہبی اساس اور ادبی روایت

خلاصہ

تصوف ایک روحانی، اخلاقی اور فکری روایت ہے جس کا بنیادی تعلق تزکیۂ نفس، تصفیۂ باطن، تعمیرِ اخلاق، عشقِ الٰہی اور قربِ خداوندی کے حصول سے ہے۔ اس مقالے میں تصوف کے مفہوم، ماخذ، تاریخی ارتقا اور امتیازی خصوصیات کا مختلف مذہبی اور تہذیبی روایات کے تناظر میں جائزہ لیا گیا ہے۔ لفظ صوفی اور تصوف کی وجہ تسمیہ کے متعلق مختلف آرا بیان کی گئی ہیں اور ان الفاظ کے تعلق کو صوف، حکمت، باطنی پاکیزگی اور روحانی ریاضت کے ساتھ واضح کیا گیا ہے۔ مقالہ تصوف کو ایک ایسے باطنی سفر کے طور پر پیش کرتا ہے جس میں انسان تزکیۂ نفس، عبادت، اخلاقی اصلاح، صبر، محبت اور خدمتِ خلق کے ذریعے اپنے ظاہر و باطن میں ہم آہنگی پیدا کرتا اور قربِ الٰہی کی جستجو کرتا ہے۔ اس ضمن میں شریعت اور طریقت کے باہمی تعلق کو بھی واضح کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ ظاہری مذہبی اعمال اور باطنی روحانی تربیت ایک دوسرے سے جدا نہیں بلکہ باہم مربوط ہیں۔ مقالے میں یونانی، یہودی، عیسائی اور اسلامی روایات میں موجود صوفیانہ رجحانات کا تاریخی جائزہ پیش کیا گیا ہے، تاہم اسلامی تصوف کی بنیاد قرآن، سنت، تصورِ احسان اور حضور اکرم ﷺ اور صحابۂ کرام کی روحانی و اخلاقی زندگی سے وابستہ قرار دی گئی ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں تصوف کے فروغ، صوفیائے کرام کی دعوتی خدمات اور سلسلہ چشتیہ، نقشبندیہ، قادریہ اور سہروردیہ کے کردار کا بھی مطالعہ کیا گیا ہے۔ تصوف کی اشاعت و ترویج میں ادب، بالخصوص اردو شاعری، مقامی زبانوں اور صوفی شعرا کی خدمات کو نمایاں کیا گیا ہے۔ تحقیق سے واضح ہوتا ہے کہ تصوف کسی ایک قوم، علاقے یا مذہب تک محدود نہیں بلکہ محبت، اخلاقی پاکیزگی، ریاضت، معرفتِ حق اور خدمتِ انسانیت پر مبنی ایک عالمگیر روحانی رویہ ہے۔

کلیدی الفاظ: تصوف، تزکیۂ نفس، عشقِ الٰہی، احسان، شریعت، طریقت، صوفی سلاسل، اسلامی روحانیت، اردو ادب، برصغیر پاک و ہند

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.04 No.01 (2026)

تصوف: تاریخ و تخصیص

تصوف ایک مخصوص کیفیت کا نام ہے جس کی اصل کسی معاشرت کے مذہبی عقائد و وابستگیوں میں پنہاں ہے، اسی واسطے ہر معاشرے میں تصوف کی اساس کسی بھی دوسرے معاشرے کے متصوفانہ عقائد سے قدرے مختلف ہوتی ہے۔ تصوف کی اصطلاح نئی یا انوکھی ہرگز نہیں البتہ یہ ضرور ہے کہ اس کی قطعی و جامع تعریف کے مقابل مجرد خیالات و روایات موجود ہیں اور ان ہی کی روشنی میں تصوف کے عمل کی توضیح ممکن ہے۔ تصوف ایسا ادبی نظام حیات ہے جو انسان کے دل کو دنیاوی خواہشوں اور آسائشوں سے پاک کر دیتا ہے اور انسان کے روح و قلب میں محبت، رواداری، بھائی چارے اور صبر جیسی خصوصیات کو بیدار کرتا ہے۔ تصوف چونکہ تزکیہ نفس کا نام ہے اس لیے اس کا مقصد اولی قرب خداوندی ہے۔تصوف کی نمود جس دور اور جس قوم میں بھی ہوئی اس کا مقصود بہر طور یہی رہا ہے۔ مورخین تصوف کی اساس کے بارے میں مختلف اقوام کا مذکور کرتے ہیں۔ وہ کبھی اس کی جڑیں افلاطونیت میں تلاش کرتے ہیں تو کبھی اسے بدھ مت سے جوڑتے ہیں۔ کچھ کے نزدیک اہل یونان اس کے بنیاد گزار ہیں اور کچھ کے نزدیک رہبانیت اس کی جڑ ہے۔ بعضوں کے نزدیک تصوف کا اصل سرچشمہ اسلام ہے۔ تصوف بہر طور دنیا کے تمام مذاہب میں موجود رہا ہے اور ہر مذہب میں یہ قرب خداوندی کی جانب رغبت کا ایک اہم محرک رہا ہے۔ تصوف کی تاریخ و تخصیص کے بیان سے قبل تصوف کے مفاہیم سے آگاہی لازم ہے۔ تصوف عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مادہ "صوف" ہے اور "صوف کے معنی "اون" کے ہیں۔ لغوی اعتبار سے تصف سے مراد ہے:

"اون کا لباس پہننا"[1]

ایک اور روایت کے مطابق:

"تصوف اصل میں "س" سے (لکھا جاتا) تھا اور اس کا مادہ "سوف" تھا۔ جس کے معنی یونانی زبان میں حکمت کے ہیں۔ اس لیے لوگوں نے ان (حکما) کو "سوفی" یعنی حکیم کہنا شروع کیا۔ رفتہ رفتہ "صوفی" ہو گیا۔"[2]

گویا لفظ "صوفی" پر از حکمت شخصیت کے لیے مستعمل رہا ہے۔ اصطلاحاً اس لفظ کے معنی ہیں:

اپنے اندر کا تزکیہ اور تصفیہ کرنا، یعنی اپنے نفس کو نفسانی کدورتوں اور رذائلِ اخلاق سے پاک و صاف کرنا اور فضائلِ اخلاق سے مزین کرنا۔[3]

یعنی اصطلاح میں صوفیا سے معنون وہ لوگ ہیں کہ جن کا مقصود تزکیہ و تصفیۂ نفس و ذات ہوتا ہے اور ساتھ ہی وہ اس کے داعی بھی ہوتے ہیں۔ اس نسبت سے "صوفی" لا لفظ اونی لباس پہننے والے لوگوں کے لیے مخصوص نہیں رہا بلکہ یہ ان مطہر و مطاہر صفت لوگوں کے لیے مخصوص ہو چکا ہے جن کا مقصود حیات تطہیرِ نفس و ذات ہے۔ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ:

ابتدا میں ایسے لوگوں کا اکثر لباس صوف (اون) ہی ہوتا تھا، اس وجہ سے ان کا یہ نام پڑ گیا، اگرچہ بعد میں ان کا یہ لباس نہ رہا۔[4]

ڈاکٹر روبینہ ترین سے منقول ہے:

"تصوف اصل کے اعتبار سے یونانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی آنکھیں بند کر لینا ہیں۔"[5]

حیات انسانی کا بنظر غائر مطالعہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انسان کے وجود کا ارتقاع اور باقیت جسم و روح ہر دو کی باہمی ہم آہنگی سے مشروط ہے۔ انسان کے ظاہر و باطن کی ہم آہنگی ہی اسے نیابت کے فریضے سے عہدہ بر آ ہونے میں معاونت کرتی ہے۔ دونوں کا تعلق باہمی ہی انسانی رویوں کی تشکیل کرتا ہے۔ ایک طرف باطن ظاہری رویوں کو متشکل کرنے میں اساسی کردار کرتا ہے تو دوسری طرف خارجی عوامل بھی باطنی دنیا پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس تعلق باہمی میں مفاہمت، مخاصمت یا توازن جیسے عناصر پر شخصی دین و مذہب کا اثر بھی ضرور ہوتا ہے۔ تاہم ظاہر اور باطن کی دنیا میں ایک خطِ تفریق بھی موجود ہوتا ہے جو دونوں کے دائرہ کار کی تحدید کرتا ہے۔ مذہب اسلام میں اس تقسیم کو شریعت و طریقت کی ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔ شریعت کا تعلق عبادات سے ہے جبکہ طریقت کا تعلق معاملات سے ہے۔ شریعت عمل ہے، طریقت احساس ہے۔ شریعت عبادات کی بجا آوری ہے جبکہ طریقت باطن کی پرداخت کا نام ہے۔ دونوں میں فرق ہے اس کے باجود دونوں ایک دوسرے سے باہم پیوست ہیں، دونوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ تصوف کا علاقہ یہ دونوں عناصر ہیں تاہم طریقت تصوف کا خصوصی علاقہ ہے۔ تصوف کے موضوع میں طریقت یعنی باطنی عناصر کو خصوصی دخل ہے۔ گویا تصوف باہر کی دنیا کی طرف سے آنکھیں بند کر کے باطن کی دنیا سے رجوع کرنے کا نام ہے۔

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.04 No.01 (2026)

ہر مذہب کی اساس اسی نکتہ میں ہے کہ بندہ جس ذات کو اپنا حقیقی مالک سمجھتا ہے اسی سے وصل کا متمنی بھی رہتا ہے۔ اس کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے مالک حقیقی کا قرب حاصل کرے، اس کا دیدار کرے، اسے محسوس کرے اور اسے سب سے زیادہ اپنے قریب سمجھے۔ یہی مذہب کی اصل ہے۔ یہی تصوف کی بنیاد ہے۔ مذہبی اساس کو سمجھتے ہوئے انسان اس طرح عبادت کرتا ہے گویا اللہ کو وہ دیکھتا ہو اور یہ نہ ہو تو اتنی کیفیت کا ورود ضرور ہوتا ہے کہ اللہ اسے دیکھتا ہے۔ اس کیفیت کو احسان (بمعنی حسن) کا نام دیا جاتا ہے۔ احسان ہی کی بدولت آگے چل کر مسلمانوں کے ہاں تصوف کی اصطلاح کی بنا پڑی۔ صحابہ کرام کا "احسان" کسی بیرونی علم تصوف کا نتیجہ نہ تھا بلکہ وہ ان کی اپنی فطری امنگ تھی جسے قرآن وحدیث کی محبت نے پروان چڑھایا تھا۔

شیخ عبدالقادر جیلانی صوفی کو کدورت سے پاک مخلوق تصور کرتے ہیں۔[6]

بشر بن الحارث کے مطابق:

صوفی وہ ہے جس کا دل اللہ کی خاطر پاک وصاف ہو۔[7]

ڈاکٹر میر ولی الدین کہتے ہیں کہ

"صوفی وہ ہے جس کی معرفت کا نور اس کے تقویٰ کے نور کو زائل نہیں کرتا۔۔۔جس کا باطنی علم کتاب اللہ تعالیٰ اور سنت کے ظاہری معنی کے خلاف نہیں ہوتا اور کرامتیں اس کو اللہ کے محارم کے پردوں کو چاک کرنے پر آمادہ نہیں کرتیں۔"[8]

صوفی کا جینا مرنا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ایسے صوفیا کے لیے جگہ جگہ فرمایا گیا ہے:

والذین جاھدو فینا لنھدینھم سبلنا ؕ وان اللہ لمع المحسنین ○

ترجمہ: اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم انہیں اپنی راہیں ضرور دکھا دیں گے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کا ساتھی ہے۔[9]

تصوف میں دو طرح کا چلن ملتا ہے۔ایک صوفی تصوف کے درجات کو مجاہدے سے تلاش کرتا ہے اور اس تلاش میں ہی اصلاحِ ذات کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔ دوسرا صوفی محض مال و متاع اور جاہ و حشمت کے لیے اپنے آپ کو مثلِ صوفی بنا لیتا ہے۔ ملحوظ رہے کہ دوسری قسم کا صوفی فقط دکھاوا کرتا ہے۔ حقیقی صوفی کے لیے جاہ و حشمت کوئی معنی نہیں رکھتے۔اسلامی تصور تصوف میں صوفی محبت ایزدی اور خدمتِ خلق کا مرقع ہوتا ہے۔

تصوف محض رسم نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ معاملات تصوف جن دنیاوی عناصر سے تعبیر ہیں وہ مخلوق کا حصہ ہیں اور اس توسط سے تصوف کی حقیقت خدائے لم یزل کا حصہ ہے۔ یعنی دنیا ایک عمل گاہ ہے جہاں دنیاوی معمولات کی بنا پر صوفی کی پرکھ ہوتی ہے اور اسی واسطے سے وہ حقیقت سے آشنا ہوتا ہے۔ تصوف رسوم یا علوم کا نام نہیں ہے بلکہ اس کی اصل تصحیح اخلاق ہے۔ تصوف میں انسان پہلے اپنے مقام کی تشریح کرتا ہے اور اپنے حال کے متعلق بات کرتا ہے، بہ الفاظ دیگر یہ مرحلہ خود آشنائی کا ہے۔ اور اس کے بعد عرفان یعنی معرفت الٰہی کا مرحلہ آتا ہے، جب ایسے انسان سے کھل جانے کا تقاضا کیا جاتا ہے تو وہ خاموشی اختیار کر لیتا ہے۔ حق کو دیکھنے کے بعد مقام حیرت میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔اس ضمن میں مجدد الف ثانی کا ایک بیان نقل ہے:

" ایک مرتبہ مجھے فنائے حقیقی حاصل ہوئی اور دل کو اس قدر وسعت ہوئی کہ تمام عالم کو ، عرش کو، خود کو، بلکہ عالم کے تمام ذرات کو حق دیکھا، سارے عالم کو ایک ذرہ میں گم پایا۔ میں نے اپنے آپ کو، ہر ذرہ کو نور پایا۔ دنیا کی اشیا کی صورتیں اس نور میں مضمحل ہو گئیں۔جب میں نے حق سبحانہ سے عرض کیا کہ یہ کیا ہے۔تو فرمایا کہ توحید میں حق الیقین کا مرتبہ یہی ہے۔"[10]

گویا تصوف خدا سے براہِ راست مکالمے کی راہ ہے۔ مجدد الف ثانی وحدت الشہود کی کئی منزلوں سے گزر چکے تھے۔ اول اول وہ وحدت الوجود کے تجربہ سے گزرے تو انہیں محسوس ہوا کہ ان کا وجود صرف خدا کی ذات میں ہے۔ پھر احساس ہوا کہ ان کا وجود اللہ کے وجود کا سایہ ہے اور اللہ کے وجود سے جدا ہے۔ باطنی شعور کی تدریج وارتقا کے بعد انہیں محسوس ہوا کہ ان کا اپنا وجود خدا سے مختلف ہے اور ان کی ہستی کا انحصار اللہ کی ہستی پر ہے۔ان کا وجود اللہ کے تابع ہے اور اللہ سے جدا ہے۔

صحابہ کرام بھی تصوف کی صفات سے متصف تھے لیکن اس وقت تصوف کا لفظ منصہ شہود پر نہ آیا تھا۔ بعض صحابہ کے مشاہدہ میں ایسی حالت در آتی کہ جس میں بندہ خدا کو دیکھنے کی کیفیت میں آ جاتا ہے۔ تصوف ایک باطنی کیفیت ہے جس کے نتائج کی تعبیر مختلف مقامات سے کی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر خدا کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے اور یہی تصوف کا ایک پہلو بھی ہے۔ گویا یہ اعتقاد بھی تصوف کا ایک مقام ہے۔ حضرت موسیٰ کو خدا سے کلام کی سعادت نصیب ہوئی، یہ تصوف کا ایک مستزاد مقام ہے۔ اور اسی طرح مخلوق اور خالق کے تعلق وربط باہمی کے مختلف مظاہر تصوف کے مختلف مقامات کا اظہار کرتے ہیں۔

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.04 No.01 (2026)

تصوف وہ علم ہے جس سے تزکیہ نفس، تصفیہ، اخلاقی تعمیر، ظاہر وباطن کے حقائق سے آشنائی ہوتی ہے۔ یہ سعادت ابدی کے حصول کا ذریعہ ہے۔حقیقت میں اسلامی تصوف کا کوئی الگ فلسفہ یا الگ طریقہ نہیں بلکہ اس کی جڑیں سنت سے متصل ملتی ہیں۔ اس کا انحصار دنیائے باطن پر ہے۔ جس طرح ایمان کا تعلق قلبِ انسانی سے ہے اسی طرح تصوف کا تعلق بھی دل سے ہے۔ تصوف حق کی شناخت کا نام ہے۔ یہ مخلوق اور خالق کی دوستی اور مصاحبت کا نام ہے۔انسان اپنے رب کی رضا و خوشی کے لیے ہر دکھ ہر مصیبت جھیلتا ہے۔جب اس پر مصیبت آتی ہے تو وہ اسے اپنے رب کی آزمائش سمجھ کر برداشت کرتا ہے اور اللہ کی رضا پر راضی ہوتا ہے۔ تصوف اللہ کی رضا حاصل کرنے کا نام ہے۔ یہ صفتِ پیغمبری ہے۔صوفیا کا سرمایہ اللہ اور رسول کا عشق ہے۔تصوف اللہ سے ملنے، اسے دریافت کرنے اور اس کے دیدار کی لگن کا دوسرا نام ہے۔تصوف روحِ انسانی کا اپنی اصل سے واصل ہو جانے کے اشتیاق کا نام ہے۔ یہاں اللہ محبوب ہے اور انسان محب ہے۔

تصوف نے زمانے کے ساتھ ساتھ مختلف روپ دھارے۔ پروفیسر فہیم دل راہی لکھتے ہیں:

> ایک تصوف وہ ہے جو اسلام کے ابتدائی دور کے صوفیا میں تھا، اس کا کوئی الگ فلسفہ نہ تھا، الگ طریقہ نہ تھا۔ وہی افکار، وہی اشغال و اعمال تھے جو کتاب و سنت سے ماخوذ تھے اور ان سب کا وہی مقصد تھا جو اسلام کا مقصود ہے۔ دوسرا تصوف وہ ہے جن میں اشراقی، رواقی، زرتشی، ویدانتی فلسفوں کی آمیزش ہے۔ جس میں عیسائی راہبوں اور ہندو جوگیوں کے طریقے شامل ہیں جس میں مشرکانہ تخیلات و اعمال تک خلط ملط ہو گئے ہیں۔ جس میں شریعت و طریقت اور معرفت الگ الگ چیزیں ہیں بلکہ بسا اوقات باہم متضاد بن گئی ہیں۔"[11]

بہر طور تصوف کا دائرہ کسی ایک قوم تک محدود نہیں بلکہ تصوف ایک عالمگیر نظریے کے طور پر ہر قوم،ملک و مذہب میں موجود ہے۔ تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ تصوف خواہ کسی بھی ملک و ملت میں موجود ہو، اس کی اساس ایک ہی ہے اور وہ ہے الفت و مونست کا جذبہ۔ صوفی جس مذہب سے بھی تعلق رکھتا ہو، تصوف کی راہ میں عشق کو ہی اپنا کر اپنی منزل کی طرف رواں رہتا ہے۔عشق کا جذبہ صوفی کا دل از حد نرم اور مرقع خلائق بناڈالتا ہے۔یہی نرمی صوفی میں جھکاؤ اور تسلیم و رضا کا جذبہ پیدا کرنے کا باعث ہے۔ یہ جذبہ خلق ہی صوفی کو دوسروں سے ممیز کرتا ہے۔ پاکیزگی نفس اور تصفیہ باطن صوفی کی ایسی خصوصیات ہیں جن کے حصول کے لیے وہ سخت ریاضت کے اصولوں پر کاربند رہتا ہے۔

تصوف کے بنیادی مباحث سے یہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ یہ کیفیت ان خصائص کی حامل ہے:

۱۔ تصوف کا تعلق باطن کی دنیا سے ہے۔

۲۔ تصوف میں خارج کی دنیا باطن کی معراج کا پیمانہ ہے۔

۳۔ تصوف لایعنی کارِ دنیا سے پہلو تہی کرنے کا نام ہے۔

۴۔ تصوف کی اساس عشق ہے۔

۵۔ تصوف کا مقصود تزکیہ نفس ہے۔

۶۔ تصوف ریاضت کا متقاضی ہے۔

۷۔ تصوف روح کے اپنی اصل سے واصل ہونے کا نام ہے۔

۸۔ تصوف ذات کی نفی کا نام ہے۔

۹۔ تصوف اخلاق کے تکملہ کا نام ہے۔

۱۰۔ تصوف معرفت حق کا نام ہے۔

درج بالا نکات کا بغور مطالعہ اس حقیقت کو واضح کر دیتا ہے کہ تصوف کی یہ تمام خصوصیات ایک دوسرے سے باہم مربوط ہیں اور کسی ایک وصف کے خارج ہونے سے تصوف کی کاملیت جاتی رہتی ہے۔

تصوف کا لفظ اس طریقہ کار یا اسلوبِ عمل کے لیے اختیار کیا جاتا ہے جس پر کوئی صوفی عمل پیرا ہو۔ تصوف قرآنی اصطلاح میں تزکیہ نفس کو جبکہ حدیث کی اصطلاح میں احسان کو کہتے ہیں۔ تصوف کی ابتدا حضور اکرم ﷺ کے زمانہ سے ہی ہو چکی تھی لیکن "صوفی" اور "تصوف" جیسے الفاظ غیر مستعمل تھے، یہ الفاظ دیگر صوفیانہ طرز عمل تو موجود تھا لیکن اسے معنون نہ کیا گیا تھا۔ آپ ﷺ کی زندگی دین اسلام کی ابتدا بھی تھی اور انتہا بھی، اسی نسبت سے تصوف کی بنیادی خصوصیات کسی نہ کسی طور پر خود

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.04 No.01 (2026)

آپ ﷺ میں اور آپ ﷺ کے اصحابہ کرام میں موجود تھیں۔ تاہم کچھ روایات کے مطابق قبل از اسلام بھی تصوف کا تصور موجود تھا۔ محمد بن اسحاق بن لیسار سے روایت ہے:

"اسلام سے پہلے کسی وقت میں مکہ خالی ہو گیا تھا، یہاں تک کہ کوئی شخص خانہ کعبہ کا طواف نہیں کرتا تھا۔اس حال میں ایک دور دراز ملک سے صرف ایک صوفی آتا تھا اور طواف کر کے واپس چلا جاتا تھا۔ پس اگر یہ روایت صحیح ہے تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قبل از اسلام یہ نام مشہور تھا اور اس کی طرف اہلِ صلاح منسوب کیے گئے تھے۔"[12]

اسلام میں تصوف کے ارتقا سے قبل دنیا کے مختلف مذاہب اور تہذیبوں میں تصوف کے نقوش ملتے ہیں۔ علم و دانش اور فکر و فلسفہ کے اعتبار سے سرزمینِ یونان کی اہمیت مسلمہ ہے۔ یونان کی تاریخ میں تصوف کے نقوش واضح ملتے ہیں ۔ اس ضمن میں آرفیس نامی شخص کا نام لیا جاتا ہے۔ چھٹی اور ساتویں صدی قبل مسیح آرفیس کی تعلیمات یونان میں عام ہو چکی تھیں۔ آرفیس کی تعلیمات کا خلاصہ ڈاکٹر روبینہ ترین سے منقول ہے:

"آرفیس نے پہلی مرتبہ ایسی خانقاہیں قائم کیں جہاں تعلیم و تدریس بھی کی جاتی تھی اور یہی خانقاہیں عبادت گاہوں کا کام بھی دیتی تھیں۔ آرفیس کی فکر نے انسان اور خدا کے درمیان تعلق اور انسانی روح اور خدا کے درمیان اتحاد کے متعلق فکری توجیہات پیش کیں۔ آرفیس کے پیروکاروں میں زہد و ریاضت اور پابندیِ اخلاق کے رجحانات پائے جاتے تھے لیکن بعد میں آنے والے لوگ بے عملی کی طرف مائل ہو گئے۔[13]

آرفیس کی تعلیمات صوفی کے اس بنیادی وصف کی غماز ہیں جس کے تحت صوفی ظاہر کی بجائے باطن کی دنیا آباد کرتا ہے۔ یونانیوں کے ساتھ ساتھ یہودیوں کے ہاں بھی تصوف کے نقوش زمانہ قدیم سے ہی ابھرتے نظر آتے ہیں۔ غلام احمد پرویز کے بقول:

"معلوم ہوتا ہے کہ بیت المقدس کی پہلی تباہی کے بعد بابل کی اسیری کے زمانے میں، جبکہ قوم اپنے ضعف و انحطاط کی انتہا کو پہنچ چکی تھی(اور یہی زمانہ تصوف کے ابھرنے کا ہوتا ہے) ان میں بھی کچھ کچھ باطنیت کے اثرات نمودار ہونے شروع ہو گئے۔ لیکن حقیقی تصوف ان میں اس کے بعد جا کر آیا جب ان کے مذہبی پیشواؤں نے اسکندریہ میں یونانی فلسفہ کا مطالعہ کیا۔"[14]

تصوف کی تدریض کا عمل وقت کے ساتھ جاری رہا اور آج تک جاری ہے۔ عیسائیت تک پہنچتے پہنچتے تصوف میں باقاعدہ تنظیم و ترتیب کے عناصر واضح ہو چکے تھے۔ اب تصوف ایک مسلک کے طور پر سامنے آیا۔ خانقاہوں کا قیام عمل میں آیا۔ قواعدِ زیست مقرر ہوئے۔ مذہبی پیشواؤں کے مراکز قائم ہوئے یہاں تک کہ مذہب پر کلی طور پر تصوف کی اجارہ داری قائم ہو گئی۔ برصغیر میں تصوف کی ابتدا و ارتقا کی جانب نظر کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں تصوف کی تاریخ قریباً ایک ہزار سال پرانی ہے۔ [15] تصوف کی حیثیت باقاعدہ ایک ادارے کی سی ہے جس کی سرپرستی میں برصغیر میں اسلام نے نمو پائی۔ آٹھویں صدی کے آغاز میں اسلام کی آمد کے بعد، سلطنت دہلی کے دسویں اور گیارہویں صدی کے دورانِ حکومت میں بالخصوص اور ما بعد بالعموم ہندوستان کی صوفی روایت کے نقوش واضح ہوتے ہیں۔ [16] سلاطینِ دہلی کا ابتدائی دور تاریخی طور پر چار الگ الگ خاندانوں کے اتحادِ باہمی نیز ترک و افغان حکمرانوں کے اشتمال کا مظہر ہے۔[17] فارسی تہذیب نے اس خطے کو صوفیانہ اقدار سے آگہی بخشی۔ تجارت کی غرض سے کیے جانے والے بحری اسفار کی بدولت صرف غیر مقامی تجار ہی نے ہندوستان کی سرزمین کو اپنا مسکن نہ بنایا بلکہ صوفی مبلغین نے بھی دعوت کی غرض سے ساحلی علاقوں کی طرف ہجرت کی۔ دعوت کے اس مرحلے میں طریقت کی تعمیل کرتے ہوئے کئی صوفیا کرام نے مذہبی تعلیم عام کرنے کے لیے منظم کوششیں جاری رکھیں۔ صوفیا کے مطابق طریقت شریعت سے آگے کا درجہ ہے۔ شریعت سے مراد قوانین منجانب خداوندی کا نفاذ ہے جس پر عمل پیرا ہونے سے باطن خود بخود مصفا ہو جاتا ہے۔ طریقت کے عمل میں کسی مسلک پر کاربند سالک کو اپنے باطن کی خود کار تطہیر کے ساتھ ساتھ کسی ایسے رہنما کی ضرورت در پیش ہوتی ہے کہ جس کے توسط سے وہ تطہیر نفس و ذات کے تکملہ کی جانب گامزن ہو۔ اصطلاحی زبان میں اس رہنما کو شیخ یا پیر کے الفاظ سے بھی معنون کیا جاتا ہے۔ شیخ کا کام ایسی تعلیم کو عام کرنا ہے کہ جو شیطانی وساوس سے نجات اور قربِ الٰہی میں معاون ہو۔ تصوف کی تاریخ میں چار بڑے سلاسل طریقت پر کاربند ہیں جن کا مختصر بیان پیش ہے:

1۔ سلسلہ چشتیہ، مبتدی خواجہ معین الدین چشتی

اس سلسلہ کی دو ذیلی شاخیں چشتیہ صابریہ اور چشتیہ نظامیہ ہیں۔ چشتیہ صابریہ کے مبتدی صابر کلیری اور چشتیہ نظامیہ کے مبتدی خواجہ نظام الدین اولیا ہیں۔

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.04 No.01 (2026)

2۔ سلسلہ نقشبندیہ۔ مبتدی خواجہ بہاؤالدین نقشبندی

یہ سلسلہ تمام دیگر صوفی سلاسل کا سرگروہ سمجھا جاتا ہے اور اس سے کئی ذیلی سلسلے جنم لیتے ہیں جن میں سلسلہ مجددیہ سب سے زیادہ معروف ہے اور اس کے مبتدی مجدد الف ثانی ہیں۔

3۔ سلسلہ قادریہ۔ مبتدی شیخ عبدالقادر جیلانی

4۔ سلسلہ سہروردیہ۔ مبتدی شیخ شہاب الدین سہروردی

تصوف کی ترویج و ترقی میں ادب نے بھی خصوصی کردار ادا کیا ہے۔ ادب میں تصوف کا مذکور نیا نہیں بلکہ ادبی تحاریر میں متصوفانہ عناصر کی عکاسی کی روایت خاصی پرانی ہے۔ ادب چاہے کسی بھی زبان یا علاقے کا ہو اس میں کسی نہ کسی رنگ میں صوفیانہ رنگ اپنی جھلک دکھلاتا نظر آتا ہی ہے۔ انگریزی ادب میں مسیحائی اعجازات کا مذکور ہو یا یونانی ادب میں اپالو اور زیوس کی معبد گاہوں کا نقشہ، دراصل مذکورہ ادبی تہذیبوں کی مطابقت سے صوفیانہ عناصر کا ہی بیان ہے۔ اردو ادب نے بھی صوفیا کی روایات کی پاسداری کرتے ہوئے تصوف کی ترویج و اشاعت میں خصوصی کردار ادا کیا ہے۔ برصغیر کے شعرا نے تصوف اور مقامی تہذیبی اقدار و روایات کو ہم آہنگ کرنے کی بھرپور سعی کی۔ اردو زبان کا خمیر کسی ایک تہذیب کی دین نہیں بلکہ اس کا خمیر مشترکہ تہذیبوں کا تیار کردہ ہے۔ برصغیر میں اسلام اور صوفیا کی آمد سے یہاں کی زبان اور تہذیب دونوں متاثر ہوئیں اور آگے چل کر اسی زبان نے تصوف کی ترویج میں نمایاں کردار ادا کیا۔

روایت کے مطابق حضرت داتا گنج بخش ہجویری اولین بزرگ ہیں جو برصغیر پاک و ہند میں تشریف لائے اور ان کی بدولت ہندوستان میں باقاعدہ تصوف کی بنیاد پڑی اور یہیں سے مشترکہ تہذیبی رویے کو فروغ ملا۔ تاہم خواجہ معین الدین چشتی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ہندوستانی زبان کو ذریعہ اظہار بناتے ہوئے دعوت و تبلیغ کے فرائض سر انجام دیے۔ ان کے بعد آنے والوں نے ان کی پیروی کرتے ہوئے اسی طریقہ کو وسیلہ اظہار بنایا۔ چونکہ تمام صوفیا کا مقصد امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے اس لیے دعوت کے باب میں مقامی زبان زیادہ کارگر ہے۔ متذکرہ دور کے صوفیا نے بھی اس امر کو ملحوظ رکھا اور یہی نہیں کہ مقامی زبان کو تصوف کے مقاصد کی تکمیل کے لیے استعمال کیا گیا بلکہ تبلیغ کے مختلف طریقے اپنائے گئے۔ شاعرانہ پیرایہ اظہار اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

اردو شاعری میں تصوف کا جائزہ لیا جائے تو تصوف کی ایک طویل اور مربوط روایت ملتی ہے جس کا مذکور اس باب میں مقصود نہیں۔ البتہ یہ مذکور حامل اہمیت ہے کہ تصوف کے اعتبار سے مختلف النوع شعرا موجود ہیں۔ اول تو وہ صوفیا ہیں جن کا مقصد اولیٰ تبلیغ تھا۔ شعر و شاعری کو ان شعرا نے محض واردات قلبی اور پیغام رسانی کے لیے وسیلہِ اظہار بنایا۔ ان شعرا میں امیر خسرو، میرا جی شمس العشاق، برہان الدین جانم، امین الدین اعلیٰ، تراب علی قلندر، مرزا مظہر جانِ جاناں، میر درد کے نام نمایاں ہیں۔ دوسرے زمرے میں وہ شعرا آتے ہیں جو مکمل صوفی تو نہ تھے تاہم ان کے خیالات اور بیانات میں صوفیانہ احساس کی عکاسی ملتی ہے۔ ان میں ، ولی، میر، غالب اور اقبال جیسے نام نمایاں ہیں۔ کرشن بھکتی اور رام بھکتی کی متصوفانہ تعلیم کے زیرسایہ پنپنے والے شعرا میں نام دیو، تلسی داس، میرا بائی، جائسی اور کبیر داس کے نام نمایاں ہیں جنہوں نے برصغیر میں تصوف کی تعلیمات کو اشعار کی صورت محفوظ کیا۔

شعرا کی یہ شعوری یا غیر شعوری کاوشیں اس باب میں قابلِ قدر ہیں کہ ان کی بدولت ایک طرف تو تصوف کی تعلیم محفوظ ہوئی، دوسرے تصوف کی تعلیم عام ہوئی اور تیسرے یہ کہ یہ ادبی سرمایہ تصوف کے تاریخی دستاویز کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ یہ سلسلہ رکا نہیں، آج بھی جاری ہے۔ واصف علی واصف، سرفراز، یحییٰ خان اور احمد رفیق اختر جیسے صوفیا آج بھی بہ زورِ قلم تصوف کی اشاعت میں پیش پیش ہیں۔ یوں تصوف کی ترویج کے ساتھ ساتھ اس کی تاریخ کا اہتمام بھی ساتھ ساتھ ہو رہا ہے۔ تصوف کی تاریخ صرف اعداد و شمار کی جمع تفریق نہیں کہ کس دور میں کتنے صوفی گزرے اور کتنے صوفی کس مسلک سے تعلق رکھتے تھے یا کس صوفی کی تعلیمات سے کتنے قلوب بدل گئے۔ تصوف ایک تدریجی عمل ہے جو قطرہ قطرہ پتھر میں سوراخ کرتا ہے، یہ میکانکی عمل نہیں کہ جس کے تحت ایک ہی برقی رو سے پتھر میں چھید کر دیا جائے۔ اسی تدریج کی تحفیظ تصوف کی تاریخ ہے جو ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اس عمل کی اصل میں کیفیت کا استزاد کرتی ہے۔

حوالہ جات

[1] ہجویری، ابوالحسن سید علی بن عثمان: کشف المحجوب، اردو ترجمہ عبدالرحمٰن طارق، لاہور، ادارہ اسلامیات، طبع اول: ۲۰۰۵ء، ص: ۴۱۶۔

[2] کوثر شبانہ خٹک، اردو شاعری میں تصوف کی روایت (مقالہ برائے پی ایچ ڈی)، شعبہ اردو جامعہ پشاور، ۲۰۰۵ء، ص: ۱

[3] چشتی، پروفیسر یوسف سلیم: تاریخ تصوف، لاہور، دارالکتاب، طبع اول: ۲۰۰۹ء، ص: ۱۱۵۔

[4] القشیری، ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن: الرسالۃ القشیریہ، ترجمہ محمد عبدالنصیر العلوی، لاہور، مکتبہ رحمانیہ، ص: ۴۱۶۔

[5] روبینہ ترین، ڈاکٹر، تصوف: تاریخ 'تعریف' اصطلاحات، بیکن بکس، ملتان، ۲۰۰۱، ص: ۹

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR

[6] نقوش، شمارہ ۱۲۵، ص:۴

[7] کوثر شبانہ ختک، اردو شاعری میں تصوف کی روایت، ص:۴

[8] خواجہ محمد زکریا، ڈاکٹر، تاریخ ادبیاتِ مسلمانان: پاک وہند، جلد ۷، ص:۲۳

[9] سورۃ العنکبوت، آیت:۶۹

[10] مجدد الف ثانی، فصوص الحکم، ص:۳۴

[11] کوثر شبانہ ختک، اردو شاعری میں تصوف کی روایت، ص:۱۲

[12] روبینہ ترین، تصوف، ص:۱۲

[13] روبینہ ترین، تصوف، ص:۲۲

[14] بشیر احمد ڈار، تاریخِ تصوف، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۶۲، ص:۲۶

[15] Jafri ،Saiyid I Zaheer Husain. The Islamic Path: Sufism, Politics, and society in India. 2006
[16] Schimmel ،Anniemarie. Sufism in Indo-Pakistan, Chapel Hill: University of North Carolina Press. 1975, P:345.

[17] Walsh ،Judith E. A Brief History of India. Old Westbury: State University of New York. 2006, P: 58